

جعفری سے ظاہر کی۔ ان رٹکیوں کو باپ جو کچھ وقایہ فتاوی دیتے تھے وہ جمع رہتا تھا۔ کپڑے تو خورشید مرزا خود ہی بنادیتے تھے مگر کبھی کبھی اپنے پاس سے بھی اپنی خوشی کا کپڑا خردید کے خود بھی اپنے کپڑے بناتی رہتی تھی۔

نادرتی۔ اللہ! بہن زیادہ نہیں پہلیں روپیہ دید کچھ ملا جلا کے ایک جوڑا بن جائے گا۔

جعفری۔ صندوق میں کپڑے بھرے پڑے ہیں نئے جوڑے کی کیا ضرورت، تمہیں تو ہر بات کا ہو کاہے میں تمہاری طرح دیوانی نہیں ہوں نہ میرے پاس روپیہ ہو تھم نے اپنا روپیہ کیا کیا۔ ہاں وہ بڑھن من کی گڑیا کی شادی میں دیا گیا ہو گا بڑی روپیہ والی۔ رکھنا نہیں جانتیں، نیا جوڑا نہ پہنؤگی تو کیا ہو گا۔ میں روپیہ نہ ددل گی۔ ایسا روکھا جواب اور اس سختی اور ہماہی سے نادرتی کو بہت ملال ہوا بڑھن من کی گڑیا کی شادی بڑی وصووم دھام سے ہوئی تھی اور نادرتی نے سارا خرچ اٹھایا تھا، دس روپیہ کے قریب خرچ کئے تھے اسکو سال بھر سے زیادہ نمانہ ہو چکا تھا مگر جعفری جب سے ہزار مرتبہ تو بہن کو گود پکلی ہو گی۔

آخرتی چاہتی تو نادرتی کو روپیہ دے دیتی مگر اُس کو اپنی مقدرت ان پہنؤں پر ظاہر کرنا مقصود نہ تھی، دو ڈن پہنؤں میں جو باتیں ہوئیں وہ آخرتی نے سنیں اُسے فکر تھی کہ نادرتی کی خوشی ہو جائے۔ جعفری نے الیسی بُرسی طرح باتیں سُنا ہیں کہ نادرتی کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے، آخرتی کو اس کا بڑا ملال ہوا مگر کیا کہ سکتی تھی، آخر اُس نے ایک تدبیر نکالی۔

خورشید مرزا گاؤں پر جانے والے تھے سخت گرمی پڑ رہی تھی لوٹلتی تھی۔

آخرتی۔ ما موں جان ان دنوں بڑی گرمی پڑتی ہے لُوچلنے لگا ہے۔ ذرا دن چڑھا اور لوگ ہاؤں میں چلے گئے پانچ چھبیسے تک ہے خالوں سے

ہنس نکلتے اور آپ باہر جنگلوں میں جائیں گے اور ابھی چار دن ہوئے دشمنوں کا مزار ناساز تھا۔ میں تو جانتی ہوں آپ اپنا جانا ملتوی کچھے۔

نادری۔ جسی ہاں دھوئے، یہ بہت چکے سے کہا تھا مگر پھر بھی خورشید مرزا نے سُن لیا، مُراد علی کو بھج دیجے، آخر یہ کام کے لئے ہے۔

خورشید مرزا۔ (نادری کی نفرت مُراد علی سے جانتے تھے اس لئے مُسکرا کے، ہا! بیٹا اُس کی جان ہنس ہے، باپ کو تو ہے خانے میں آرام کرنے کو اور مُراد علی کو جنگل میں بھیجی ہو، وہ بھی تو آدمی ہے۔

نادری۔ وہ مواعظ کا مسند اُس کو کیا لوں گے۔

آخری۔ جسی ہنس اس خیال سے ہنس مگر وہ ایک تو وہی نی ہے اس کو اس موسم کی برداشت ہے دوسرے آپ کے سِن میں اور اُس کے سِن میں بڑا فرق ہے۔ آپ کے آرام کرنے کے دن ہیں اُس کے محنت کرنے کے سِن ہیں۔

خورشید مرزا۔ (اس معقول وجہ کو سُن کے اور اپنے ساتھ لڑاکیوں کی ہمدردی دیکھ کے خوش ہو گئے) میں اُس کو ضرور بھیج دیتا اور خود نہ جاتا۔ مگر اسکے نام مختار نامہ نہیں ہے اور نہ شیخ احمد علی کے جیتے جسی کسی کے نام کا مختار نامہ مناسب معلوم ہوتا ہے، اگرچہ ان کی دلی خواہش ہے کہ بھتیجے کے نام مختار نامہ ہو جائے مگر میں اس خیال سے کہ شاید وہ اچھے ہو جائیں ابھی ملتا ہوں۔ اگر زیادہ بیمار ہو سکے تو مختار نامہ کرنا بڑے گا۔

آخری۔ ایک وجہ آپ کے روکنے کی اور بھی ہے۔ اس میں آپ کی ثابت صورت ہے۔ شاید آپ کو یاد ہنس بہن نادری کی سالگرہ قریب ہے۔

خورشید مرزا۔ اہا! کہتے ہی نادری اب آپ کتنی بوڑھی ہوئیں۔

نادری۔ جسی یہ پندرہ ہوں گردے ہے۔

ناظرین کو شاید یہ خیال ہو کہ یہ لڑکیاں اتنے بسن کی لوگوں سے رواج ملک کے موافق ابھی تک ان کی شادی کیوں نہ ہوئی، بات یہ ہے کہ ہن روں میں تو عموماً دس بارہ برس کے بسن سے پہلے شادی ہو جاتی ہے اور مسلمانوں میں خصوصاً امیر گھر انوں میں کیوں کے بسن بڑھ جایا کرتے ہیں اور شادی نہیں ہوتی۔ رقم احراف کو خوب معاوضہ ہے کہ اپنے گھر انوں میں کبھی پچیس تریس برس کے سن تک لڑکیاں بھی رہی ہیں اس کے بہت سے وجہ ہیں، بعض عام اور بعض خاص، عام وجہ تو یہ ہے کہ اچھا بنتیں ملتی، معاشرت کی خرابی سے اکثر امیرزادے پورے جوان بھی نہیں ہونے پائے طرح طرح کی بلاوں میں بستلا ہو جاتے ہیں، بیٹی والے کو ایک تو یہ مشکل، کہ لڑکا لاکن نہیں ملتا۔ دوسرا سے عام وجہ شادی کے واسطے روپیہ کا نہ ہونا، چاہتے ہیں کہ اپنے ہم منوں کے موافق لڑکی کو چھیر دیکھ رخصت کر دیں، لکھنؤ میں خاص بیٹی والے کھالے جوڑے کے لئے تکرار کرتے ہیں، رقم کثیر طلب کرتے ہیں، یہ روپیہ مانجھ کے رسم کے ساتھ دیا جاتا ہے، مانجھا بھی دھوم دھم سے ہو دو لہا کا جوڑا قیمتی ہو، اگرچہ یہ جوڑا کسی طرح قابل پہنچنے کے نہیں ہوتا، اکثر لڑکے گھر ڈی دو گھر ڈی ماں بہنوں کی خوشی کر دیتے ہیں۔ اور بعض صفتی دو لہا تو جوڑا پہنا کیسا کنگنا باندھنے میں بھی مخالفہ کرتے ہیں ادھر لڑکی والے چاہتے ہیں کہ لڑکا جوڑا پہنچنے کے باہر بکلے شہر میں پھرے، عزیز کلبہ میں جائے ہمارا نام ہو، نہیں تو لوگوں کو کس طرح معلوم ہو گا ہم نے کیسا جوڑا دیا۔

خاص وجہ شادی نہ ہونے کی رٹکی کی ماں کا نہ ہونا باپ کا بے پرواہ ناگر سے بڑی وجہ ناداری ہے جس ہزاروں خرابیاں پیدا ہوئی ہیں، قدیم رسم درواج کی پابندیاں اکثر دا جب شرعی امور میں حاج اور مانع ہوتے ہیں۔ مگر اب خدا کے فضل سے اصلاح ہوئی تھا تھی، اب امیر خان دا انوں میں چُپ چاپتے شاد ماں ہوتے نگی ہیں۔ جو کچھ بھی ممکن ہو اعقد کے بعد دو لہا کے باپ کو دے دیا ہزار دو ہزار پانچ ہزار

جیسا مقدور اور لڑکی کو رخصت کر دیا۔ آگے لڑکی کی تقدیر۔ اگر اچھے کے ساتھ ہوا تو خیر در نہ زندگی بھر کو دوزخ ہے۔ اُدھر لڑکی جلتی ہے اور ہر عزیب ماں باپ کرٹھتے ہیں مگر کچھ بنائے ہنسیں بنتی۔ یہ ساری عورتوں کی تعلیم نہ ہونے سے ہیں۔ خواندہ عورت کو شوہر بے وجہ ہنسیں دباسکتا۔ علم میں بڑی قوت ہے اگر ماں باپ اقمعی چلتے ہیں تو ان کو اپنی طرح پڑھانا لکھانا چاہتے۔

آخرتی۔ ماموں جان تو پھر نادرتی کو سال گرہ کے دن کیا دیکھے گا۔

خورشید مرزا۔ انہیں سے پوچھو، میں تو اکثر ایک آدھہ عدد زور کا بنوا دیا کرتا ہوں، اس مرتبہ بھی جس چیز کی کمی ہو بنوا دی جائے یا بنی بنائی مول لے لی جائے۔

آخرتی۔ مگر اس مرتبہ تو آپ میری غاطر سے نقد دے دیجئے، آپ کی بدولت گہنا موجو دھے کسی چیز کی کمی نہیں۔ (نادرتی کے پاس پورا جوڑ اگھنے کا نہ تھا مگر آخرتی نے دل میں ڈھان لیا کہ شادی کے موقع پر میں اپنے گھنے سے جن عددوں کی کمی ہو گئی پورا کر دوں گی مگر اس کو زبان سے ہنسنے کا لحتی تھی۔ اسی خیال کو دل میں لے کے، اور آپ کی سلامتی میں بہت سا گہنا ہو جائے گا، اس وقت تو زر نقد کی ضرورت ہی، یہ اپنی خوشی ہے گہنا نہ سہی کپڑا سہی۔

خورشید مرزا۔ (اپنی چھوٹی لڑکی کو جانتے تھے کہ روپیہ رکھنے کا اس کو ڈھنگ نہیں آتا) روپیہ فضول اکھانے کے لئے۔

آخرتی۔ میرا ذمہ فضول ایک پیسہ نہیں خرچ ہو گا۔

خورشید مرزا۔ (کوہر طرح آخرتی کی خوشی منظور تھی، اچھا نقد سہی، صندوق چینگوایا پچاس روپیہ کا لٹھ چھوٹی بیٹی کو دیا، یہ رقم نادرتی کی توقع سے ستمہ چند سے بھی زیادہ تھی۔ اس لئے کہ خورشید مرزا سال گرہ کے دن پندرہ روپیہ کی کتنی دیا کرتے تھے۔ آپ کی خاطر سے آخرتی کے اور یہ بھی کچھ اشارہ سمجھئے گئے تھے کہ کپڑے بنیں گے تو پھر ایک

آخری بیکم

گنی میں کیا ہوتا ہے سال گرد کے موقع پر پہنچنے کے لائق صرف اطلس کے پائچا مرے کے لئے پہاڑ روپیہ چاہئے ہوں گے۔

اس رقم کے ساتھ ہی لڑکی کی آنکھ بچل کے سور و پیہ کے دش نوٹ اختری کو پچ کے لئے دے اور چپکے سے کہا بیٹا آجکل ذرا خرچ کم ہے۔ سمجھہ کے اوٹھانا۔

یہ بات سُن کے اختری دنگ ہو گئی۔ کیونکہ اس کا روپیہ ایسا کیا اٹھا تھا جو یہ کہا جائے کہ خرچ کم ہے۔ اس وقت اختری کو معلوم ہوا کہ خور شید مرزا نے آجک جو کچھ مجھ کو دیا ہے اپنے پاس سے دیا ہے اس کو یہ معلوم نہ تھا، جانتی تھی کہ خور شید مرزا کی آمدی روز بروز کم ہوئی تھی تھی۔ اس قلیل آمدی پر میرا بارہ اور قیامت ہے۔

اختری۔ ماموں جان تو آخر وہ روپیہ دی پنے روپیہ کی طرف اشارہ تھا کہ اس سے زیادہ میری خوشی نہیں ہو سکتی کہ آپ اس کو صرف کریں، اور اعلیٰ میرا بوجھ بھی آپ نے اپنے سر پر اٹھایا ہے۔ میں آپ سے ایک پیسہ آج سے نہ مانگوں گی، چاہئے کسی ہی ضرورت ہو۔

خور شید مرزا۔ یہ میں نہیں چاہتا کہ تم کو تکلیف ہو۔ تمہیں اس سے کیا تم کو تو ملا جاتا ہے۔

اختری۔ نہیں ماموں جان میں ایسے لئے سے باندھی، جب آپ کو تکلیف ہو، نہیں تو میرے سر کی قسم کھائیے کہ میرے روپیہ سے آپ صرف کریں گے، اور جہاں سے کیا فصلہ ہوا۔ میں کئی دن سے اس فکر میں تھی کہ آپ سے اُس کے باہم میں کچھ کہوں موقع نہیں پائی تھی۔

جہاں کا یہ معاملہ تھا کہ دس ہزار اصل قرضہ کے باہم میں جو خور شید مرزا پر اجر الادا تھے، اب پندرہ ہزار اصل وسود کے ہوئے اُس نے مکان اور شہر کے متصل جو باغ تھا اُس کو قرق کر کے نیلام پر چڑھایا تھا اور خور شید مرزا کو کہیں سے روپیہ قرض

ہبھیں ملتا تھا۔ اس میں مراد علی کی سازش تھی، اُس نے اس خفیہ رقم کی بھنک پا کے جہا جنہیں کو بہر کا دیا تھا۔ چاہتا تھا کہ اس رقم کا حال کھلے تو مجھ کو غبن کا درد موقع ہے خورشید مرزا کی آمدی نے کے ذریعہ محدود رکھتے۔ اور اب نئی دستاویزیں بھی کم ہوتی تھیں اس نے اسکو میشن کی رقمیں بھی نہ ملتی تھیں۔ اب وہ بیچین تھا کہ کس طرح اس خفیہ دولت کا پتہ چلا تو کام روایت کا موقع ملے۔ خورشید مرزا اُس کے کم عمر ہونے کی وجہ سے اس راست کو بھیپاٹے ہوئے تھے، پھر سے کچھ تھوڑا بہت حال معلوم ہوا تھا مگر وہ کافی نہ تھا۔ اس کو غبن کا موقع نہ ملتا تھا، اس امانت کے کانفڑات یا کلکتیہ اٹھنی کے دفتر میں تھے یا دہائیں کے بنکوں میں ضروری اسناد خورشید مرزا کے مکس میں بند ہوئے اور یہ بکس خود اختری کے کمرے میں تھا۔ کنجی اختری کے پاس تھی۔ خورشید مرزا ہرگز اختری کی دولت کو ہاتھ نہ لے گئے مگر واقعات نے ایسا تجویر کیا کہ آزادی بخش اُن کو اقرار کرنا نہ ٹاکہ میں اس روپیہ سے بطور قرض اپنی ضرورت توں کے لئے لوٹا گا اور اختری کو بھی اگر ضرورت ہو گی تو اس کی رقم سے اُس کو دیا کروں گا۔ دورانہ اختری نے قطعی ارادہ کر لیا تھا کہ اب میں ایک حدہ صرف نہ کروں گی اور یہ بڑا ستم کھا کہ روپیہ ہوتے ساتھ اُس کو تکالیف ہو۔ یا جو اُسکی خوشی ہو وہ پھری نہ ہو۔ اُس کو آخر اجات کیسے ہی فضول ہوں مگر اُس کی دولت کے حساب سے وہ کچھ بھی نہ تھے۔ کچھ سات روپیہ ماہوار کا خرچ بہت ہی کم تھا۔ اس گفتگو کے بعد یہ طے پایا کہ آئندہ جو اس کو ضرورت ہو رقعہ لکھ کے لیا کرو۔

نادری پھر اس روپیہ کی رقم وصول ہونے سے اس قدر خوش ہوئی کہ پڑا خردی نے کا انتظام کرنے لگی۔ کہ میں سے کہا کہ بھاگھر تھا بنزاں کو آج ہی بُلا لاد تو بڑی باجی د جفری اور اختری باجی کی رائے سے کپڑا خردی کر لیا گا۔

خورشید مرزا۔ اٹھ کے باہر گئے، جعفری بیگم صاحبہ خراماں خراماں انگناہی

میں آئیں اور آگ لگانی ہوئی آئیں، ان کو تو ہر طرح اختری کے سنانے سے کام تھا، اب اُس میں چھوٹی بہن کو صدمہ پہنچا اور وہ آٹھ آٹھ آنسو روئے تو ان کی بلاسے یہ اور ~~لکھنٹے~~ لگائیں گی۔

جعفری - بنی نادرتی آج آپ کو پھاس روپیہ ملے۔ اختری کے طفیل سے پندرہ کے پھاس تو ہوئے، اپنے باپ سے اور غیروں کی سفارش اٹھوا کے روپیہ لینا، غیرت اڑاگئی ہے۔ میں تو ایسے روپیہ پر ٹھوکر بھی نہ مار لیتی، ایسے کپڑے کو آگ لگا دیتی، مگر بنی نادرتی کو شرم کہاں۔

اس زہر کی بھی ہوئی باتوں نے دوستگی ہوں کو رلوادیا۔ نادرتی کی ساری خوشی خاک میں مل گئی۔ وہ دن بھر صندھی پیٹے پڑی روپیا کی۔ اختری کو تاد بیج آیا مگر وہ اور باتوں کی طرح یہ بھی اپنے دل پر لئے رہی۔ تو تو، یہ میں اُس کے نزدیک باندیوں کا شیوه ہے شرفیزادیاں کسی سے لڑتی ہیں اور اگر

لڑ پڑیں تو پھر مانا نہ ہو گا۔ اسی گھر میں رہنا ہے، جعفری کا انتظام ہے کہا ناپینا اس کے پاہوں ہے، یہ سچ ہے کہ میرے ذرا سے اشارہ سے میری ماما میری باور پن میری بھتی سارا عملہ جُدا ہو سکتا ہے مگر رہنا تو اسی گھر میں ہے یہ تو اُسوقت مناسب تھا جب آگ مکان بھی ہوتا۔ میں تنہا کہاں جا کے رہوں۔ ما موں جان اسے کینونکر گوارا کریں گے۔ کمرے میں ایکلے رہنے کو میری صندھ سے اُنھوں نے مان لیا اکیلے مکان میں رہنا کہاں، ابھی میرے چھٹکارے کے زمانہ میں کئی بس باقی ہیں آخر یہ سب اونچ پنج سو پنج کے اُس کو چپ ہی رہنا پڑا۔ جعفری کی ایک بات کا جواب ہنس دیا۔

آخر شام نادرتی کو ساٹھ لے کے پھوپھی کے مکان پر چلی گئی۔

مرزاںی بیگم - تو آپ مرزا بہت ہی خوش ہوئے، بڑی خاطرداری کی، سب سے زیادہ ڈھن دلڑ کا، من دلڑ کی کو خوشی ہوئی۔ اوہ مانادرتی با جی آئی ہیں لے لوا

آخرتی با جی بھی ساٹھ میں، اب یہاں ہمارے گھر میں مہمان رہیں گی ہے
وہ آئے گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے
کبھی ہم ان کو کہیں نہ پنے گھر کو دیکھتے ہیں

نادرتی کی آنکھ بچا کے آخرتی نواب مرزا کے کارخانہ میں چلی گئیں، ماں کی تصویر
قرب تیاری کے تھی۔ دو ہی ایک دن کام اور رخا، پھر سُنہری چونکھا اور شیشہ لگکے
تصویر اخترتی کو دی جائے گی۔

پھر قبر پر جلکے وہاں کا نقشہ بنائے، اس کے لئے اخراجات دے
دئے گئے ہیں۔ تصویر کے باقی سوا سور و پلے پہلے ہی ادا کردے گئے تھے۔ نواب مرزا
اسی ہفتہ پہاڑ پر جائیں گے، کام بھی ہے اور سیر مفت ہے۔ عکسی تصویر کشی کے سامان
کی جو کچھ بھی تھی وہ بھی اخترتی کی مدد سے پوری ہو گئی۔ بڑی تصویر وں کی فرمائش تھی،
بڑے کمرے کی ضرورت تھی، اس کے اور اضداد کی ایک ایسا بولیں اور اجنبیا یہ سب خرید
کر لئے گئے تھے، نادرتی کی سال گرہ کے دوسرے دن جب مرزا آئی بیگم گھر پر آجائیں گی،
نواب مرزا روانہ ہوں گے۔

باب ۹

ہم ہمی اپنی تدبیر سے غافل نہیں ہیں

یہ لوگ تو یہاں ان سامانوں میں تھے، خورشید مرزا کسی ضرورت سے ایک دن کو گاؤں پر گئے تھے میدان فالی تھا، مرآد علی کو جعفری نے بلوا بھیا۔ خفیہ باشیں ہو میں دیوار ہم کو شدار د، نصیبین مہری کی صحنی قریب تھی وہ منہ پیٹے پڑی تھی، جعفری نے کچھ خیال نہیں کیا۔ اُس نے سب سُنا اور یاد رکھا۔ احتری کو سب معلوم ہو گیا۔ مگر وہ کیا کر سکتی تھی، خاموش ہو گئی۔

سمولی پرسش کے بعد۔

مرآد علی۔ آخر یہ نئی بیکم صاحبہ کون ہیں؟

جعفری۔ کیا معلوم۔ اتنا جانتی ہوں جب سے آئی ہیں گھر کو تہ د بالا کر دیا ہے کیا کہوں آباجان کو کیا ہو گیا ہے، ہماری تو اب کوئی اصل ہی نہیں ہے۔ ہم تو ماں اصل لو سے بدتر ہیں، کھانا ان کی فرمائش سے پکتا ہے۔ کپڑا ان کی خوشی سے آتا ہے۔ ہم پر گھومنے ہوئی ہیں۔ (یہ سب صحقوٹ اُس بیچاری نے دو ایک مرتبہ خورشید مرزا کے اصرار سے کسی چیز کو کہدیا ہو ورنہ جو کچھ گھر میں پکا چکے سے کھالیا، اور تو اور جی نادری الی بو کھلانی ہوئی ہیں، جانتی ہیں کہ آباجان ان کے کہتے ہو چکتے ہیں۔ آئئے دن ان کے پاس گھنسی، ہستی ہیں جیسے ہم کہلی ہیں، اب وہی ہیں جو کچھ ہیں۔ آڑ میں باڈا جان سے فرمائشیں ہوئی ہیں، سٹھانی چلی آئی ہے، ترکاریوں کا ڈیگر لگا رہتا ہے اپنے۔

بیگانوں کے گھر بھرے جاتے ہیں۔ (یہ اشارہ مرزا تیکم اور زمین پیغم کی طرف تھا) کھانا جا رہا ہے۔ ترکار یاں بٹ رہی ہیں لٹائی جا رہی ہیں۔ مالِ مفت دل پر رحم، باپ کا سامال، میں کہتی ہوں اس گھر کا خدا حافظ ہے۔ مکان تک نسلام پر چڑھ گیا، نواب صاحب (باپ)، کے کابوں پر جوں نہیں رنگتی، اب سنتی ہوں اُسی سے بیس ہزار اور قرض لئے جائیں گے۔ سود پڑھتے پڑھتے رب جادا د ہباجنوں کی ہو جائے گی۔ یہ ہونا کیا ہے۔ یہ مکان یہ پاس یہ گاؤں یہ بی اختری سب کبوالیں گی۔ بھلام کو بھی یاد ہو گا، میری سال گرہ میں نادری کی سال گرہ میں کبھی محملداری ہوئی تھی۔ دو سویاں آئی تھیں، اب کی یہ سب ہو گا۔ بی نادری کو اختری کی سفارش سے آباجان نے پچاس روپیہ دے ہیں نیا جوڑا تیار ہو گا۔ ہر سال ایک اشرفی طاکری تھی یہ دن کب نصیب تھے۔ بہت خوش ہیں یہ نہیں خیال آتا کہ گھر مٹ رہا ہے۔ نادری اور خود بدولت پھوپھی صاحبہ کو لیئے کی ہیں، پھوپھی کے بچے روز آتے ہیں انکی فاطریں ہوئی ہیں۔ اسن شاہانہ خرچ کے لئے تو قارون کا خزانہ ہوتا۔ نواب مرزا کے ہیں اختری سے چکے چکے کچھ صلاح مشورہ ہوتے ہیں،

مراد علی - نواب مرزا کون؟

جعفری۔ تم نہیں جانتے، ہمارے عزیز ہیں۔ مگر کبھی اتنی آمد و رذت نہ تھی، بی اختری کی ذات سے اب عزیز دار یاں خوب چکھی ہیں۔ ہم کوئی نہیں ٹری عزیز داری میں جوں بی اختری سے ہے۔ پھوپھی جان بھی اُنھیں سے خوش ہیں گو یا ہم غیر موجہ کے اب جو کچھ ہیں اختری ہیں کیوں نہیں اُن سے تو روپیہ ملتا ہے ہم کیوں دیں اور کہیں سے دیں، کوئی آیا ایک دن کھانا کھلایا، کھرتے ترے آیا ایک تکڑا پان دید یا رخصت کر دیا۔ یہ سب کی ٹری دوست دار۔

مراد علی - مگر یہ پتہ لگانا چاہتے ہے کہ آخر یہ ہیں کون؟

مرآد علی سمجھہ کیا تھا کہ یہ اخراجات خورشید مرزا کے روپیہ سے ہنس ہو سکتے فرور کوئی خفیہ ذریعہ آمدی نہ کاہے اور اس کا تعلق اختری سے ہے، مگر یہے لوگ پہنچ دل کی بات دل میں رکھتے ہیں اُس کو کیا عرض ہتھی کہ اختری کی دولت کی چھامیں جعفری کو دیتا اوس کا تو مطلب اس میں تھا کہ مگر میں جھگٹے ہوں، جعفری جانتی ہے کہ میرے باپ کا روپیہ صرف ہوتا ہے۔ یہ غلط خیال ہے مگر میں اس فلسطی کو کیوں بیان کروں۔ جعفری کو یہی سمجھنے دو اسی سے پتے چلیں گے۔ لوگوں کو دھوکے میں رکھنے سے بلکہ دھوکا دینے سے اپنا مطلب نکلے تو اس سے بڑھ کے ہو شیاری ہنس۔ جن لوگوں کو فریب دینے کی لیاقت ہنس ہے وہ فریب کو بُرا کہتے ہیں مگر یہ دولت پرداز کرنے والوں کا فن ہے اس کو بُرا نہ کہنا چاہئے۔

جعفری - یہ منصوری پہاڑ کا کیوں نام آتا ہے۔

مرآد علی - چھا سے سُنا تھا کہ نواب صاحب کی کوئی عزیز تھیں انہوں نے منصوری پہاڑ پر استقال کیا تھا۔ لیں اسی قدر محبکو معلوم ہے اور کچھہ نہیں جانتا۔ چھا کو بھی کچھہ خبر نہیں ہے ہاں قبر کے لئے ایک قطعہ آراضی خریدے۔ کا کچھہ ذکر آیا تھا ماہواری قرآن خوان کی تخلواہ بھی چھا کی تجویں سے جانتی ہے۔ غریبوں کی قبر کے لئے آراضی نہیں خریدی جاتی۔ قرآن خوان برسوں لذکر نہیں رہتے یہ سب امیروں کے ڈھنکوں میں دمرآد علی مذہب کا زیادہ پابند نہ تھا ایک بندہ زر کو یہ مقدس رسیم جس میں روپیہ کا صرف ہو یقیناً فضول معلوم ہوتی ہوئی اُس نے تو مردے کو ایک کھٹیا پر ڈال کے تکسیہ پر لے جاتے اور کسی طرح دوستھی خاک ڈال گھاڑ توپ کے چلے آتے دیکھا تھا۔ مر گئے مردود جنکی فاتحہ نہ درود، اُس کا چھا مرے گا تو وہ شاید اتنا بھی نہ کرے گا۔ خدا قدر دا ان آقا (خورشید مرزا) کو سلامت رکھئے اُن کی بدولت گورگڑھا ہو جائے گا ہاں جو کچھہ مال متود کہ یا چڑھی ہوئی تخلواہ یعنی کو مرآد علی

منصوری کا نام آئے ہی یہ سرخوگیا ہونہ ہو دہی سے کچھ سلسلہ ملا ہے، اچھا تو میں منصوری جاؤں گا۔

جعفری بیکم۔ ہاں بھیا تمہیں کچھ پتہ لگاؤ۔ کہ یہ صاحبزادی کوں ہیں انہوں نے تو گھر مٹا دیا۔

مراڈ علی۔ کیا آپ پتہ لگانا چاہتی ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ منصوری پہاڑ پر جانے سے کچھ بھی کھلے۔ اچھا تو میں جاؤں گا۔ کرایہ میرے پاس نہیں ہے۔

جعفری۔ بڑی کنجوس تھیں مگر اس وقت اختری کی جلن میں کچھ گرد سے بھی خرچ ہو جائے تو مصلحت نہیں، بڑی مشکل سے دس روپیہ کا وٹ نکال کے مراڈ علی کے حوالہ کیا۔

مراڈ علی۔ دل میں چلو کرایہ تو مل گی۔ کوئی تعلق حال ہی میں کورٹ ہوا تھا وہاں سربراہ کاری کے لئے مراڈ علی بھی اُمیدوار تھا، یونیورسٹی پر گئے تھے، دراصل مراڈ علی کو اُن سے ملتا تھا۔ اچھا بیک کر شمہ دو کار۔ اس قبر کا پتہ بھی نکالنکا اچھا تو میں جاتا ہوں آپ خاطر جمع رکھئے، میں پورا پتہ لگا کے آپ کو بتا دوں گا۔ دش بیچے دن کا وقت تھا جب مراڈ علی جعفری سے رخصت ہو کے عبارہ تھا، اُسی وقتاتفاق سے نادری کی سواری آئی، دوسری سواری میں اختری تھی، بدھن نادری کے ساتھ من اختری کے ساتھ ڈولیوں میں بیٹھ کے آئے۔ مراڈ علی اندر مکان میں تھا اس لئے اختری کی سواری کے اُتر نے میں کسی قدر توقف ہوا۔ جب مراڈ علی جا چکا تو اختری اُتر کے اندر گئیں، نادری نے اس کو جاتے دیکھا، معلوم ہوا کہ بڑی دیر سے آیا ہوا تھا۔ جعفری سے باتیں ہو رہی تھیں۔

نادری اختری سے مل کے، خدا خیر کرے آج یہ مو امراد علی کیوں آیا تھا سنائے جعفری با جی سے دیر تک خفیہ باتیں ہو اکیں۔

آخرتی - پھر تمہیں کیا، کچھ کام ہو گا۔

نادرتی - تے ہے بہن تم کو انہیں معلوم تم بھولی آدمی زمانے کے جعل فرب کو تم کیا جانو یہ مُوابِر اجتماعیہ ہے، اس کا آنابے سبب نہیں ہے، کوئی فاد برپا کر لے گا۔
آخرتی نہیں وہ کیا کہ سکتا ہے۔

نادرتی - اے بڑا چلتا پرزا ہے اسکو کم نہ جانو۔ پھر عفری باجی کو ایسا کیا کام کہ اس کو گھر میں بھا کے پہروں باشیں گیں، میرا تو دل دھڑک گیا۔ جب سے مجھکو سچائی روپیہ ملے ہیں جعفری انگاروں پر لوٹ رہی ہیں۔ میں تو راضی ہوں وہی لے لیں، اُس کا کلپنجہ تو ٹھنڈا ہو جائے۔

آخرتی - کیوں بے وقوفی کی باتیں کرنی ہو۔ وہ بڑی بہن ہو کے چھوٹی کو اپنے پاس سے دینے سے رہیں اُللہ تھا اے روپے چھین لیں گی۔ اب جعفری ایسی بھائی نہیں۔

نادرتی - تمہیں سے رات دن اوکھڑتیج کیا کرنی ہیں تم چپ ہو جاتی ہو
یہ تو نہیں ہوں تمہارا پتھر کا کلپنجہ ہے کوئی لڑنے والا ہو تو دن رات جوئی پیزارہ ہو۔
آخرتی - نوج خدا نہ کرے۔ خیر وہ مجھے سے جس طرح پیش آئی ہیں اُسکا سبب تم کو معلوم نہیں۔ شاید میری ہی خطاء ہو۔ میری خطاء نہیں ہے کچھ یوں ہی بن پڑی ہے۔

نادرتی - واد رے دل فرشتوں کا تو نام سنائے مگر تم کو دیکھایہ صبریہ
بُردباری تمہارا ہی کام ہے۔

آخرتی - تو پھر کیا کروں تمہاری صلاح ہو تو مورچے بندی ہو جائے، فدا نہ کرے جعفری سمجھیں گی اور سمجھیں گی، اور جب سمجھیں گی تو وہ حزورہ شرمندہ ہوں گی۔

ان چند لفظوں کے بعد اختری نے بات کو ٹال دیا۔ باز ڈیورٹھی پر آگیا تھا، اطس کے طاس فہ کھلنے لگے۔ اختری نے اپنی پسند سے بہت ہی خوش وضع پھول دار پنجی سُنہری بوٹیاں ہلکے گلابی رنگ کی اطس خردید کی۔ اس کا جی چاہتا تھا کہ جعفری کے لئے بھی اسی طرح ایک پاجامہ ہو مگر کیا مجال تھی جس طرح بدبدی سے باز نہیں آئے اسی طرح نیک نیکی کو نہیں چھوڑ رہے تھے۔

باب

ہم کوئی ہیں، تم کون ہو

رازدار ان محبت کے کر شے دیکھو پ دل سے دیکھا اپنیں اس بھینڈ روا کر لے

صیبھ پیاساکھ کے دن پہاڑ پر جنت کا لطف دیتے ہیں، گرم میداں سے جا کے جو فمعۃ
ھندو گھاٹوں میں پہنچ جاتے ہیں سفر کی سختیاں فوراً کافور ہو جاتی ہیں۔ گویا دوزخ
سے بہشت میں آگئے۔ جب انکھوں کو ھندوک پہنچتی ہے عنودگی سی آئی ہے تو آدمی کو خیال
ہوتا ہے شاید وہی جنت پے جس کا ہم سے وعدہ ہوا ہے آسمانی جنت نہ سہی زمین
کی جنت ضرور ہے۔ مگر صرف گرمی کے موسم میں۔ ہر طرف سرسبزی شادابی، صاف سکھرے
پتھر کی چٹانیں طبقہ پر طبقہ راستے کیسے خوشنما خم و تیح کے ساتھ جیسے سانچے میں دھلتے
ہوئے آسمان تک چلے گئے ہیں۔ سرکاری باغوں میں وہ مختصر سرکبوں سے پڑا ہوا حاط
چہاں چھوٹے چھوٹے مصنوعی پہاڑ۔ پہاڑ نہیں بلکہ پہاڑوں کے کھلوٹے بنائے گئے ہیں
جس کو سمر موس اور ہندی میں بھیٹ کہتے ہیں، چاروں طرف صابات پانی کی مالیاں بہ رہی
ہیں۔ نیچے میں بڑا حوض پانی کا بھر جو افوارہ قد آدم سے کچھہ اونچا اوچھل رہا ہے، پانی پر
پانی کے گرنے سے جو خوش آیند صدائیکلیتی ہے کوئی راگنی ایسی دچکپ نہیں، راگینوں میں
سر ہیں سروں میں تاثیر ہے لیکن اوسکا اثر ایک ہی حالتہ تک ہے اور کافیں تک محدود
ہے۔ باقی جو کچھہ ہو وہ اہمہ کی کارستا نی ہے اس میں بہت کچھہ اضفافہ کر کے خوش کرتی،

وہ جنت نگاہ یہ فردوس گوش ہے۔ قوتِ لمس کو سردی گرمی کے حاسہ متاثر کرنے کے عجیب لطف ہے ہیں یہ مصنوعی پہاڑوں کے منوالے فوارے، ذرا ذرا سی چیزیں ہیں، اس چھوٹے سے منظر کو پھیلا دُ خیال کو وسعت دو، جیسے مصور چار انگل کے فوٹو سے قد آدم تھویر بنا سکتا ہے خیال میں پیمانہ کے وسیع کرنے کی بہت بڑی طاقت ہے بچہ کو دیوبنائے دکھانا رائی کو پرست بنا دینا اسی کا کام ہے۔ اس کو ہستانی منظر کو اس طرح تھویر کرو کہ ایک سیکڑوں کوں کے گردے میں ہر طرف حشمتہ آبشارِ قدر ہی فوارے طرح طرح کی قدرتی سجادہ میں، گل بولے کیسی خوبصورت سرپیز پیاں اُن پر پانی کے قطرے زمرد کی تختیں پر موتویوں کی طرح جھلک رہے ہیں، زنگار نگ کے پھول جیسے الہ دین، جہاں سی جران پیسنے گیا تھا۔ اسی طرح جواہرات کے ڈھیر، اگر جنگل سے بازاروں میں آئے میوہ فردشوں کی دو کالوں میں میوے اور ترکاریوں کے انبار، جد ہرآنکھا اٹھا کے دیکھو لیا، بازار میں گھروں کو ٹھیوں پر ہر جگہ کو ہستانی مناظرِ قدرت سامنے ہیں، سب سے بلند مقام پر جاؤ سائز ہمالیہ پہاڑ کی نلک نما مخروطی چوٹیوں پر بارہ ماں سی سفید برف جھی ہوئی ہے، ان سفید مخروطوں کے پیچے آسمان سے زمین تک صد ہا کوں تک سرپیز وسیع منظر۔ اللہ اکبر۔ عل جلالہ یہ قدرت یہ وسعت یہ غطرت وہ تماشہ جس کے دیکھنے سے نگاہ کبھی ہنسنے کھلتی پھر پہاڑی دیہات اور اُن کی کھیتیاں جو پہاڑ کی بلندی سے چھوٹی چھوٹی سرپیز کیا ریاں سی دھالوں پر بنتی ہلی گئی ہیں جیسے کسی عالیشان قصر کے زینتوں پر سبزِ محمل کا فرش ہے اُس کے پاس چھوٹے چھوٹے کھرلوں سے پٹے ہوئے دیہاتوں کے رہنے کی جھونٹلے جن کی آزاد دادا نہ زندگی اور ایسے خوشنا مقاموں میں ہے شکر قابلِ رشک ہے۔ شہروں کی تیروں تار گلیوں کے رہنے والے اس لطف کو کیا جائیں، ایسی ہی کسی گھامی ٹکرے کے قریب ایک چھوٹی مسجد کے پاس ایک پختہ قبر ہے جس پر اس وقت سبز پوشش پڑی ہوئی ہے۔ اس سبز پوشش پر جالدار پھولوں کی چادر قبر کے سر برائے دوسرے کنوں رکھے

ہیں جن میں رات کی آدھی جلی ہوئی سفید موی شمعیں لگی ہوئی ہیں۔ ان دونوں کنوں کے بیچ میں ایک شاداب کھلے ہوئے پہاڑی پھولوں کا گلدستہ بدری گلدان میں نفلوں کو اپنی طرف کھینچ رہا ہے۔ نواب مرزا عکس کشی کے کمرے کی تیاری ایسے موقعہ سے لگا رہے ہیں کہ مسجد اور قبر نایاں طور سے ہلکی تصویر میں دکھائی دے، مسجد کے پاس تختہ سطح پر شست لگی ہوئی ہے۔ فیتہ تختہ پر رکھا ہے دو تین فٹ تختہ سے لٹک رہا ہے۔ زینتی نقشہ پنسیلی تیار ہو چکا ہے جس میں یہ محنترا احاطہ مسجد قبر صبح پیاز سے دکھایا گیا ہے۔ احاطہ کے کنارے پہاڑ کی ڈھال کا نقشہ تھوڑا پنا کے چھوڑ دیا ہے۔ احاطہ کے پاس سے چھوٹی سی نری برف کے پانی سے بھری خوش آئند روائی سے بہتی ہوئی۔ زینتی نقشہ بالکل مکمل ہو چکا ہے۔

عکسی تصویر کا فوکس درست کر کے نواب مرزا پلیٹ لگاپکے ہیں کہ ان کو دو آدمی کچھہ فالصلہ سے ادھر آئے نظر آئے جن میں سے ایک تو وہی میر صاحب ہیں جو اس قبر کے مجاور اور قرآن خوان ہیں، دوسرا ہے ایک نوجوان مُنشیانہ پگڑی باندھے ہوئے پہلے تو نواب مرزا کو منڈ سی ڈاڑھی بڑی بڑی موجودوں اور پگڑی کی بندش سے شبہ ہوا کوئی ہندو نشی جی ہیں مگر قریب آنے کے بعد معلوم ہوا کوئی مسلمان صاحب ہیں۔ ناظرین نے سمجھہ لیا ہو گا کہ مراد علی آپ ہی ہیں۔

مراد علی۔ آتے ہی آتے نواب مرزا سے بغیر صاحب سلامت کئے کرٹے تیور دال کے تحکماں آواز سے تم یہ تصویر کس کے حکم سے بنا رہے ہو دام تم کے جواب میں نواب مرزا تو مگر کے خطاب کرتے مگر یہ تحریر کا رسم صورت بھتے اور ذرائع میں تمسخر ہجی تھا۔ غصہ آیا اور انتقام کو بھی جی چاہا مگر ضبط کر کے سترافت نے انکی زبان سے تم نہ تکلنے دیا، نواب مرزا نے پہلے تو پوچھنے والے کی طرف بے پرواہی سے دیکھا اور خاموش ہو رہے ہے جیسے ان سے کسی نے کچھہ پوچھا ہی نہ تھا۔ اس بے تہذیب

خود ساختہ حکومت کا جواب ہی کیا تھا۔

مرآد علی۔ اس سکوت کو نہیں معلوم کیا سمجھا۔ پھر اسی انداز سے آواز فردہ اور بلند کر کے۔ میں تم سے پوچھتا ہوں یہ تصویر کس کے حکم سے تم بناتے ہے ہو؟۔

مگر زبلکہ سہ کرد "تم" سے ان کو سخت غصہ آیا۔ مگر پھر خبیط کر کے، جناب میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا، اتنا کہہ کے مرآد علی کو سر سے پاؤں تک ایک نظر دیکھ کر پھر چب ہو ہے اور اپنے کمیرے کو سنبھالنے لگے۔

مرآد علی۔ میں جانتا ہوں لواب خورشید مرزا کی فرماش سے یہ بنائی جاتی تھی، مجھے یقین ہے۔

لواب مرزا۔ جب ایک بات کا آپ کو پہلے سے یقین ہے تو پھر پوچھنے کی تکلیف کیوں اٹھاتی؟۔

"مگر یہ جواب اس قدر آہستگی سے دیا گیا تھا جس سے مرآد علی کو معلوم ہو گیا کہ جواب دیتے والے نے میری کوئی حقیقت نہیں سمجھی" مگر خورشید مرزا کا نام اپنے اپنے قدر والوں میں میں لے آج رہی سننا۔

مرآد علی۔ تو پھر آخرتی بیگم نے بھیجا ہوگا۔ اس سے تو انکار نہیں ہو سکتا۔

لواب مرزا۔ آپ میں ایک ہی بات کہہ کے اس قصہ کو ختم کئے دیتا ہوں، یہ آپ کس کے حکم سے یہاں تشریف لائے اور کیوں آپ کسی کے کام میں حاج ہوتے ہیں، شاید اپنے وقت عزیز کی آپ کو قدر نہیں مگر دوسراے کا وقت صالح کرنیکا آپ کیا حق ہے؟ آپ ضرور جانتے ہوں گے کہ خورشید مرزا اور آخرتی کو تو اس قبر کے بارے میں کسی تفصیل کی ضرورت نہیں ہو سکتی۔

مرآد علی۔ اس سے آپ راب دیکھا کہ میرا حکماء رعوب بے کار ثابت ہوا، کو کیا کام۔

نواب مرزا۔ مسکر اکے تو بس آپ کو بھی میرے کام سے کیا کام؟ مناسب ہے کہ دونوں اپنا اپنا کام کریں اور ایک دوسرے کا مرزا جم نہ ہو۔ لیکن جب آپ میرے کام میں داخل دینا چاہتے ہیں تو وہی حق مجھے کو بھی حاصل ہونا چاہتے۔

مرآد علی۔ کو اپنے پہلے طرزِ گفتگو سے پشیمان ہونا پڑا۔ چراکارے گند عاقل کے باذ آید پشیمان۔ یہ مصور ٹری دُور ہے میرے دباؤ کو مانتے والا نہیں ہے۔ خیر مجھ سے غلطی ہوئی۔

نہ ہر جائے مرکب تو ان تاختن

کہ جا ہا سپر پایا ندا حشت

اب مرآد علی نے دوسرا طریقہ فریب دہی کا اختیار کیا۔ جناب کے اسم مبارک دریافت کرنے میں تو کوئی مفہالقہ نہیں ہے۔ یجھے میں پہلے اپنا نام تباہے دیتا ہوں، مرآد علی شاید میری پہلی گفتگو سے آپ کو ملاں ہوا ہو میں معاف چاہتا ہوں۔

نواب مرزا داس لاسے میں بھی پھنسنے والے نہ تھے، اس خاکسار کو لوگ مرزا کہتے ہیں، اور تو مجھے اپنا کوئی نام جو قابل آپ کی سماعت کے ہو ذہن میں محفوظ نہیں ہے۔ معافی کی درخواست میری جانب سے بھی قبول ہو۔ پھر مسکر اکے اپنے بکیرے کی طرف متوجہ ہو گئے۔ مرآد علی۔ اس حقارت آمیرز ترکی پوتھی سے مرآد علی کو پھر غرضہ آیا چاہتا تھا مگر اس کو بکار آمد نہ سمجھہ کے ضبط سے کام لیا اور التجاگرے کا طریقہ اختیار کیا، اچھا تو اب میں یہ چاہتا ہوں کہ مجھ پر نوازش فرمائے کریے تھوکیس غرض سے بواں گئی ہے۔

نواب مرزا۔ رُسی طرح مسکر اکے اور اُسی آہستگی اور بے پرواںی کے انداز سے جس سے تحفیر ٹپک رہی تھی، میں سمجھتا ہوں کہ میں سیدھی سادی روشن کا آدمی ہوں۔ خود کسی کے کام میں داخل دیتا ہوں نہ چاہتا ہوں کہ مجھے کوئی تکلیف دے جس کی برداشت کی مجھ میں طاقت نہیں اور نہ ہر کس و ناکس پر بجا نوازش کرنے کا مقدور

رکھتا ہوں۔

مرآد علی۔ غصہ کو ضبط نہ کر سکا۔ بہت بہم ہو کے، ذرا آدمی دیکھ کے بات کیا کجھ بیٹھتا ہے۔ ”ہر کس دن اکس“ سخت الفاظ ہیں، ان الفاظ کے اثر سے کہنے والے کو نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔

لواء مرتضیٰ۔ مجھے آپ کے اس طرح جلد چلنگ بد لئے سے صرف حیرت ہوئی ہے، خیر۔

بہر نگے کہ خواہی جامہ می پوش
من انداز قد رامی شناسم

مرآد علی۔ بہمی کے لمحہ میں تو آپ کو میرے سوال کا جواب دینے سے انکار ہے (ذرادھمکا کے بلند آدار سے کیا آپ جواب نہ دیں گے)۔

لواء مرتضیٰ۔ اب آپ جھوڑ کرتے ہیں تو مجھے کہنا پڑتا ہے کہ بے شک انکار ہے۔ پھر؟ بہمی اور دھمکی کا جواب بھی لواء مرتضیٰ نے اُسی آہستگی سے اور مُسکرائے دیا جو طریقہ انہوں نے پہلے سے اختیار کر لیا تھا، جس سے مرآد علی کو بجائے خود کھونے کے سوا کوئی فائدہ نہ ہوا تھا۔

مرآد علی۔ تھوڑی دیر تک گھور کے دیکھتا رہا، جس کی ان کو مطلق پرواز ہوئی اور اپنے کام میں بلا توقف مصروف رہے۔ بالآخر مرآد علی بڑا بڑا ہوا۔ اچھا دیکھنا کیا ہوتا ہے۔ جد ہر سے آیا تھا اُدھر جلا گی۔

لواء مرتضیٰ نے جگہ بدل بدل کے کئی پیٹ لگائے اور اتارے پھر دیکھا کام تمام ہو گیا۔ تختہ مسطوح کا نقشہ بھی تیار تھا یہ سب سامان اُک جا کر لیا۔ اتنی دیر میں میر صاحب حقہ بھر کے دہیں پہنچ گئے۔ چند منٹ میر صاحب سے باتیں کیا کیے۔ میر صاحب۔ رسادات بارہ بڑے تجربہ کا آدمی تھے، انہوں نے ایسی باتیں